سلسلہ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۱۹۴

زندۂ جاوید کا ماتم

چھٹا ایڈیشن

مصنفہ
آیۃ اللہ العظمیٰ السید العلامہ سید علی نقی طاب ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منکروں کا عجیب طریقہ ہے کہ اہل بیت کی ایک فضیلت کولیکر اسے اس انداز سے پیش کریں کہ دوسری فضیلت کا انکار ہو جائے۔ مثلاً میر انیس کے مصرع ''سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز میں'' پر شاگرد کے سوال کرنے پر استاد کا کہنا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب حضرت علی کے خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں پیر سے تیر نکال لیا گیا اور حضرت کو خبر نہ ہوئی تو سائل کی آواز حالت نماز میں سنی کیونکر اور حالت رکوع میں سائل کو انگوٹھی دی کیوں کر؟

دوسری مثال اس بیان پر کہ حضرت علی کی گردن میں رسی باندھ کر مدنیہ کی گلیوں میں پھرایا کہنا کہ بھلا کسی کی مجال تھی اس بہادر کے گلے میں رسی باندھنے کی جس نے عمرو ابن عبدو، دمرحب اور، مالک ابن عوف وغیرہ ایسے نامور بہادروں کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا؟

اسی سلسلے میں اقبال سہیل کے اس شعر کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس سے ان کا مقصد صرف عزادارئ حسین پر سوالیہ نشان لگانا تھا۔ مطلب یہ کہ اگر حسین زندۂ جاوید ہیں تو رونا غلط اور اگر رونا صحیح ہے تو حسین کی زندگی جاوید سے انکار؟

اگر کوئی جاہل آدمی یہ کہتا کہ زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرنا چاہئے تو یہ کہکر درگذر کیا جا سکتا تھا کہ جانتا نہیں بیچارہ۔ لیکن اسے کیا کہا جائے کہ اعتراض کرنے والا پڑھا لکھا آدمی کامیاب وکیل اور مشہور شاعر تھا۔ اس کے بعد بھی اسے نہیں معلوم کہ ہم تو حسین کی شہادت کے بعد روتے ہیں جبکہ رسول مقبول تو جیتے جاگتے حسین کو گود میں لیکر واقعہ کربلا کو یاد کر کے روئے۔ نہ صرف خود روئے بلکہ اہلبیت علیہم السلام کے درمیان بارہا واقعہ بیان کر کے خود روئے اور سبکو رلایا۔

بات صرف اتنی سی ہے کہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ اگر مظلوم کا ذکر ہوتا ہے تو سننے والوں کو اس سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ فطرت انسانی ہے۔ اور اسی وجہ سے ظالم سے محبت کرنے والے طرح طرح سے عنوان بدل بدل کے ذکر مظلوم کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی یہ کہ کرہ کہ چودہ صدیاں بیت گئیں اب اس قصہ پارینہ کے بیان سے کیا فائدہ۔ کبھی یہ کہ حسین شہادت پر فائز ہو گئے درجات میں بلندی ہوگئی لہذا غم منانا بے محل ہے۔ کبھی اسے بدعت کا نام دیا گیا اور کبھی کچھ اور کہا گیا مقصد یہ کہ ذکر حسین کسی عنوان سے رک جائے ورنہ یزید سے نفرت بڑھتی رہے گی۔ گویا یہ جو کچھ کوشش ہو رہی ہے وہ محبت حسین میں نہیں بلکہ محبت یزید میں ہو رہی ہے۔

قارئین کرام یہ تو بعد میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ سرکار سید العلماء طاب ثراہ نے اقبال سہیل کو اپنی ۱۱راکتوبر ۱۹۵۴ء کی تقریر میں جو احاطہ ممتاز محل گولہ گنج لکھنؤ میں کی تھی کیا جواب دیا اس سے پہلے ملاحظہ فرمالیں بنارسی داس ورما نے اس شعر کا جو جواب اپنے درج ذیل قطعہ میں دیا ہے۔

اپنا کوئی مرتا ہے تو روتے ہو بلک کر
اور سبط پیمبر کا کبھی غم نہیں کرتے
ہمت ہو تو محشر میں پیمبر سے یہ کہنا
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

یہ تقریر رسالے کی صورت میں امامیہ مشن سے پانچ بار شائع ہو چکی ہے اور اس کی افادیت کے پیش نظر جناب سید محمد میاں صاحب زیدی نے اسے چھپوانے کے اخراجات کا ذمہ لیا کہ یہ چھٹیں بار پھر قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ سکے اس کار خیر کے سبب سے میری دعا ہے کہ موصوف عند اللہ وعند الرسول ماجور ہوں۔ والسلام

خادم مشن
تفسیر الحسن نقوی
آنریری جنرل سکریٹری
امامیہ مشن علی گڑھ

اگست ۲۰۰۵ء
امامیہ ہال
نیشنل کالونی

Presented by Ziaraat.Com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقبال سہیل کا اعتراض مشہور ہے کہ:

روئیں وہ جو قائل ہوں ممات شہدا کے
ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اس کا تجزیہ کیا جائے تو کیا ہوگا؟ غور کیجئے کہ یہ ممات اور حیات جو شہدا کے لئے مورد نفی و اثبات ہو سکتی ہے کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ شہداء کی زندگی وہ مادی زندگی نہیں ہے جس لحاظ سے قبل شہادت انھیں زندہ کہا جاتا تھا اور جو ظاہری طور پر اس دار دنیا سے متعلق ہوتی ہے اس لئے شرع اسلامی میں شہداء کی میراث تقسیم ہوتی ہے ان کے اطفال حکم یتیم میں اور ان کے ازواج حکم بیوہ میں ہوتے ہیں اگر ان کے لئے موت کا تصور کسی حیثیت سے نہ کیا جائے تو ان کے ترکہ کی تقسیم ان کی اولاد کی یتیمی اور ان کے ازواج کی بیوگی بالکل بے بنیاد ہوگی۔ ہمارے مذہبی نقطۂ نظر سے شہید اگر امام ہے تو اس کے بعد دوسرا امام برسر اقتدار آ جاتا ہے حالانکہ حیات ظاہری میں ایک امام کے ہوتے ہوئے دوسرا امام حامل منصب نہیں ہوتا بیوہ کے لئے عقد ثانی کی اجازت جس طرح شوہر کی موت کے بعد ہے اس طرح شہادت کے بعد حالانکہ زندگی میں ممکن نہیں احکام اموات میں صرف غسل وکفن شہید کے لئے نہیں ہے، نماز اور دفن لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بھی تعلق موت کے ساتھ ہے زندگی کے ساتھ نہیں۔

جب کہ شہدا کی زندگی اس نوعیت کی نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ وہ زندگی جسے شہدا کے لئے ثابت کیا گیا ہے ارتقائے روحانیت کا کوئی خاص درجہ ہے اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اولیائے الٰہی میں سے کسی کے لئے بھی، اگرچہ اصطلاحی طور پر شہید نہ ہو، موت نہیں ہے بلکہ جاودانی زندگی ہے جس کے مراتب باعتبار مراتب تقرب مختلف ہوں گے، پیغمبر خدا کی متفقہ حدیث میں ہے۔ من مات علی حب ال محمد مات شھدا۔

بے شک فقہی حیثیت سے احکام شہید یعنی غسل وکفن کا ساقط ہونا یہ معرکۂ جنگ میں شہادت پانے والے کے ساتھ مخصوص ہیں مگر مرتبہ شہادت کا بقدر ایمان ہر مومن کے لئے ہے، پھر جب مومن بقدر ایمان مردہ نہیں تو انبیاء و مرسلین کا کیا تذکرہ، چنانچہ سوائے نجدی عقیدہ والے وہابیوں کے اور تمام مسلمان حیات پیغمبر خدا کے قائل ہیں، خود حضرت کی حدیث ہے کہ میری وفات کے بعد مجھ پر اسی طرح سلام کرنا جیسے زندگی میں، کیونکہ تمہارا

سلام دونوں حالتوں میں مجھے یکساں طور پہونچے گا''

بعض علمائے اسلام نے اسی لئے روضۂ رسولؐ کے پاس بلند آواز سے بات کرنے کو منع کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھر بالقول اس حکم کی تعمیل جس طرح اس وقت اسی طرح اب ہونا چاہئے، اس لئے کہ رسولؐ زندہ ہیں اور ہماری آواز سنتے ہیں۔

اب مذکورۂ بالا شعر کے مضمون پر غور کیجئے وہ کہتا ہے کہ جو زندۂ جاوید ہو اس کا ماتم نہیں کرنا چاہئے اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زندگیٔ جاوید حسن عمل سے وابستہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماتم کے قابل ان کی موت ہے جو انتہائی بداعمال ہوں اور حُسن اعمال رکھنے والوں کا ماتم نہیں کرنا چاہئے۔

اب جبکہ اس شعر سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے تو آیئے اسے قرآن کے سامنے پیش کریں کیونکہ کہنے والا بظاہر مسلمان ہے اور اس نے جو کہا ہے وہ صرف شاعرانہ انداز میں نہیں ہے۔ جسے تبسم زیر لب کے ساتھ صرف اس کے شاعرانہ کیف کو محسوس کر کے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس نے منطقی انداز میں صغریٰ اور کبریٰ مرتب کر کے ایک نتیجہ نکالا ہے جس سے ایک پوری قوم کے طرز عمل پر اعتراض مقصود ہے۔

آیت قرآن مجید کی سامنے ہے اس موقع کی جب فرعون اور اُس کا لشکر غرق ہوگیا تو ارشاد ہوا ہے۔ فمابکت علیھم السماء والارض وماکانوا منظرین۔

''نہ اُن پر آسمان رویا، اور نہ زمین نے گریہ کیا اور نہ انھیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی''

ظاہر ہے کہ یہ کنایہ ہے کہ جس سے ان کی بداعمالی کا اظہار مقصود ہے۔ کنایہ میں کسی حقیقت کے آثار و لوازم کا تذکرہ کر کے ذہن کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ضد کے لوازم کو بیان کیا جائے، مثلاً یہ بتانا ہو کہ صبح ہوگئی، تو یہ کہیں گے کہ روشنی ہوگئی، یہ نہیں کہیں گے کہ اندھیرا ہوگیا جو شام کے لوازم میں سے ہے رات کی شدت دکھانا ہو تو کہیں گے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا جو ظلمت کے اظہار میں مبالغہ ہے۔ اب دیکھئے شاعر کا نظریہ یہ تھا کہ رونا اُسے نہیں چاہئے جو خوش اعمال ہو، بلکہ اُسے رویا جائے جو بداعمال ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ بداعمالی کا نتیجہ ہے استحقاق گریہ، خوش اعمالی کا نتیجہ نہیں ہے مگر قرآن بداعمالی کے اظہار میں کہہ رہا ہے۔

فمابکت علیھم السماء والارض اُن پر آسمان و زمین نے گریہ نہیں کیا۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina

Presented by Ziaraat.Com

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی نقطۂ نظر سے بداعمالی کا تقاضا یہ ہے کہ اُن پر نہ رویا جائے اس کے بالمقابل جو حُسنِ عمل رکھنے والے ہوں وہ مستحق گریہ ہوں گے۔ اب جتنا بلند مرتبہ کا انسان ہو جتنا مرکز فیوض و برکات زیادہ ہو وہ دنیا سے اٹھے تو اس کا اٹھنا گریہ و ماتم کا باعث ہوگا یوں تو عموماً آسمان و زمین کی طرف گریہ کی نسبت بطور مجاز عقلی ہو سکتی ہے جیسے والسأل اهل القرية یعنی اہل القریہ، ہماری روزمرّہ میں پورا شہر گواہ ہے یعنی اہل شہر، اسی طرح آسمان و زمین روتے ہیں یعنی اہل آسمان و زمین، مگر اٹھنے والے کی پیش خدا شخصیت کے لحاظ سے کبھی یہ مجاز حقیقت بھی بن سکتا ہے یعنی مرنے والا جو دُنیا سے اُٹھا تو واقعی زمین روئی اور آسمان نے گریہ کیا، پھر اگر زندۂ جاوید کو آسمان و زمین گریہ کر سکتے ہیں جن کا کوئی فعل ارادۂ باری کے بغیر نہیں ہو سکتا تو اس کا انسان بھی ماتم کریں تو یہ مرضی الٰہی کے مطابق ہوگا۔

پھر اب یہ دیکھئے کہ شہداء کے زندۂ جاوید ہونے کا علم ہم کو کس کے ذریعہ سے ہوا ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام کے ذریعہ سے پھر اس زندگی کے تقاضوں سے ہم زیادہ واقف ہوں گے یا پیغمبر اسلام۔ اب تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے جائے جناب حمزہ ابن عبدالمطلب شہید تھے یا نہیں یقیناً شہد اور ایسے شہید کو پیغمبر خدا نے سید الشہداء کا لقب دیا تو پھر زندۂ جاوید ہونے میں کیا شبہ، مگر حمزہؓ کی شہادت کے بعد کیا ہوا، غم کیا گیا یا خوشی، آنسو بہائے گئے یا قہقہے لگائے گئے، یاد رکھیے کہ سنت وہی ہے جس کی نظیر عمل رسولؐ میں ہو، اور بدعت وہ ہے کہ جو عمل رسولؐ کے خلاف ہو، اگر حمزہؓ کی شہادت پر رسول اللہؐ ہنسے ہوتے تو رونا بدعت ہوتا لیکن اگر رسول اللہؐ روئے ہیں تو پھر کسی شہید پر رونا بدعت نہ ہوگا۔ خوشیاں کرنا ہی بدعت قرار پائے گا۔

تاریخ گواہ کہ جب جناب حمزہؓ کی شہادت ہوگئی ہے، اور صفیہ خواہر حمزہ بھائی کی خبر سن کر میدان اُحد کی طرف روانہ ہوگئیں اور رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ صفیہ آرہی ہیں تو پہلے آپ نے حضرت علیؑ بن ابی طالب سے فرمایا کہ جلدی حمزہؓ کی لاش کو چھپائیں تاکہ بہن کی نظر بھائی کے جسد عریاں پر نہ پڑے، حضرت علیؑ نے جا کر اپنی عبا لاش جناب حمزہ پر ڈالی مگر جناب حمزہ قد آور تھے، پاؤں کھلے رہ گئے تو آپ نے گھاس صحرا کی جمع کر کے پیروں کو مخفی کیا اتنی دیر میں صفیہ پہونچ گئیں اور لاش برادر پر گریہ شروع کیا۔ اس موقع پر یہ نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ صفیہ کو منع فرماتے اور ارشاد کرتے کہ تمھارے بھائی زندۂ جاوید ہیں، زندۂ، جاوید کا ماتم کیوں کرتی ہو، بجائے اس فرمانے کے خود آپ صفیہ کے ساتھ رونے میں شریک ہوگئے اور تاریخ کا فقرہ ہے کہ:

يبكي كمابكت صفية ومنشج كما نشجت صفية

نشیج کے معنی عربی میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جانے کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ جتنا جتنا صفیہ روتی تھیں اتنا اتنا رسولؐ گریہ فرماتے تھے یہاں تک کہ جب صفیہ کی روتے روتے ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں تو خود پیغمبرؐ کی بھی یہی حالت تھی، اب بتایئے زندۂ جاوید کا ماتم ہوتا ہے یا نہیں۔

اس کے بعد جب حضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور مسجد کی طرف جاتے ہوئے سنا کہ انصار کے گھروں میں رونے کی صدائیں بلند ہیں، ان عزیزوں کے غم میں جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے تو حضرتؐ نے فرمایا، اما عمی حمزه فلابواكي له ''افسوس میرے چچا حمزہ پر رونے والیاں کوئی نہیں'' چونکہ جنا صفیہ اپنے گھر میں اکیلی تھیں مثل مشہور ہیں ''اکیلا آدمی روتا بھلا نہ ہنستا'' وہ تھوڑی دیر رو کر چپ ہوگئیں تھیں، حضرتؐ نے یہ کلام حسرت آمیز فرمایا تو اس کی اطلاع خواتین انصار تک پہونچ گئی، وہ اسے سن کر خانۂ جناب حمزہ میں آگئیں اور حمزہؓ کا ماتم برپا ہوگیا، یہ زندۂ جاوید کا ماتم کس نے برپا کرایا، رسول اللہؐ نے اب کسی مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ اس ماتم کو اچھا سمجھے یا برا؟

جناب جعفر طیار بھی شہید ہوئے، موتہ میں اُن کے دونوں ہاتھ قلم ہوئے، پیغمبر خدا نے منبر پر اپنے خطبہ میں ان کی خبر شہادت مسلمانوں کو سنائی جو خانۂ سیدۂ عالم میں بھی پہونچ گئی جب حضرت تشریف لائے تو دیکھا فاطمہ زہرا رو رہی ہیں، رسولؐ نے انھیں بھی منع نہیں فرمایا کہ جعفر زندۂ جاوید ہیں، روتی کیوں ہو، بلکہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

على مثل جعفر فلتبك البواكي جعفر ایسے آدمی پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہئے لیجئے جناب رسول خداؐ نے ایک عام اصول کا اعلان کر دیا۔ اگر کہا ہوتا کہ جعفر پر ضرور رونا چاہئے تو وہ ایک حکم جزئی ہوتا اسے صرف بحیثیت نظیر پیش کیا جا سکتا ہے، مگر علی مثل جعفر ایسے آدمی پر یہ تو ایک کلی اصول ہے، ایک اصول معیار ہے، اب جعفر ایسے کی لفظ کے ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب اوصاف شخص پر تب بھی ثابت ہوگا کہ حسن اعمال کا نتیجہ ہے استحقاق گریہ جو قرآن کی آیت کے بالکل مطابق ہے اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جس کو اس طرح موت آئی ہو جیسے جعفر کو آئی یعنی راہِ خدا میں شہید ہوا ہو تب تو صاف صاف یہ اس اصول کا اعلان ہے کہ زندۂ جاوید ہی کا ماتم کیا جانا چاہئے۔ اب کس مسلمان کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کہے ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے، وہ جب یہ کہتا ہے تو پیغمبر خداؐ کے ارشاد سے بغاوت کا اعلان کرتا ہے جو اگر سمجھ بوجھ کر ہے تو یقیناً دائرۂ اسلام

Presented by Ziaraat.Com

سے خارج کرنے کے لئے کافی ہے۔

اپنے مذکورۂ بالا بیان کی روشنی میں اگر ہم ایک شعر کی شکل میں اقبال سہیل کا جواب دینا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں۔

کیا روؤ گے اُن کو جو ہلاکِ ابدی ہیں
کیوں زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

(یعنی قرآن اور حدیث تو یہی کہہ رہے ہیں کہ زندۂ جاوید کا ماتم کرنا چاہئے)

اب اگر کچھ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تو وہ ان کا ماتم کریں جنہیں ہلاکت ابدی نصیب ہوئی مگر ان کا ضمیر بھی شاید اس کو پسند نہ کرے گا۔

کہا جاتا ہے کہ رونا بزدلی کی نشانی ہے میں کہتا ہوں کہ کسی خطرناک معرکہ میں موجود رہ کر خطرے کے احساس سے رونا بزدلی قرار پا سکتا ہے مگر کسی خطرناک جہاد میں عدم شرکت کی بنا پر رونا عین بہادری و شجاعت ہے۔ یاد رکھئے کہ کربلا کے مجاہدین زخم کھاتے اور اپنا خون بہاتے ہوئے گریہ نہیں کرتے تھے بلکہ وہاں تو بریر اور عبدالرحمٰن آپس میں مذاق کرتے نظر آتے ہیں وہاں تو عباسؑ و علیؑ اکبرؑ کا کیا ذکر شیر خوار علیؑ اصغر تک مسکراتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔

ہاں عباسؑ نہیں روئے اور علی اکبر نہیں روئے کیونکہ انھیں خون افشانی کا موقع مل گیا مگر زین العابدین عمر بھر روئے کیونکہ حکمت ربانی نے ان کو اس قربانی میں شہید ہو کر شرکت سے مجبور بنا دیا تھا۔

ہماری بھی اگر قسمت یاوری کرتی کہ اس قربانی میں عملی حیثیت سے شریک ہوتے تو پھر خون افشانی کرتے اشک افشانی نہ کرتے، یہ اشک افشانی تو اس پر ہے کہ اس سعادت کو حاصل نہ کر سکے۔ اب اگر اس تصور کے ساتھ یہ آنسو بہائے جا رہے ہوں تو ان سے ہمت میں کمزوری پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا عملی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں آرزو ہے اور بے چینی سے انتظار کہ اب جو نصرت دین کا عملی موقع ہمیں دستیاب ہو سکے اس میں اپنی ممکن اور با محل قربانی سے دریغ نہ کریں۔

☆☆

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Presented by Ziaraat.Com